Lesson 1: Al-Kahf (Ayaat 1- 8): Day 3 سُوْرَۃُ الکھف کی تفسیر

قرآن کی خوبیوں کو جاری رکھتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔ سب سے پہلی خوبی قَيِّمًا ، سیدھی بات کہنے والی ہے۔ دوسری خوبی لِّيُنذِرَ ڈراتا ہے۔ تیسری خوبی يُبَشِّرَ خوشخبریاں دیتا ہے۔ اس کے بعد اب اگلی چیز اس کتاب کے ساتھ بتائی گئی کہ جب لوگ احسن عمل کریں گے تو جنت ملے گی۔

مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ﴿٣﴾ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مّٰكِثِيْنَ ، مَكِثَ ، ٹھہرنے کی جگہ۔ حضرت موسیٰؑ کے قصے میں بھی ہم پڑھیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ تم یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں۔ جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جب لوگ ایک دفعہ جنت میں چلے گئے تو وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے۔

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ اور اُن لوگوں کو ڈرادے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

پہلے کہا 'لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ ' یہ ڈراتا ہے ایک بہت بڑی آفت سے جو اللہ کی طرف سے آئے گی۔ لیکن ان اس کتاب کے نزول کے مقاصد میں ایک مقصد بتایا جارہا ہے کہ اُن کو خبر دار کر دیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ یہ نصاریٰ، مشرکین اور یہود کی طرف اشارہ ہے۔ یہود اور نصاریٰ کا دعویٰ ہم سورۃ توبہ میں پڑھ چکے وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ مشرکینِ مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اس قرآن کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اس نظریے سے ہٹائیں۔

شرک کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں لیکن یہ بات قرآن کے مقاصد میں ہے کہ لوگوں کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنانے سے ہٹائیں۔ آج کے دور میں دجالیت کی جڑ مسیحیت کا نظام ہے۔ جس کی بنیاد تثلیث کے عقیدے پہ رکھی گئی ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ عیسایت کا نظام تسلیم سے بڑھ کر پوپ کے ماتحت چلا گیا۔ پوپ جو چاہے تبدیلی کرے۔ اسی سے "کفارہ" کا عقیدہ نکلا، کہ جتنے مرضی گناہ کرو حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے پیشگی معافی مانگ چُکے ہیں۔ شریعت کو ساکت کرنے کا اختیار پوپ کو دیا گیا۔ جس کو چاہے حلال کرے، جس کو چاہے حرام کرے۔ اسی وجہ سے یورپ میں لوگوں کو مذہب سے نفرت ہو گئی ہے۔ جس دین کے اوپر انسانوں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر لوگ اُس دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جہاں شخصیت پرستی ہو گی وہاں دین نہیں رہے گا۔ جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زیرِ اثر جدید علوم کو فروغ ملا، تو فرانس، اٹلی، جرمنی کے لوگ خاص طور پر نوجوانوں نے قرطبہ اور اس طرح کی یونیورسٹیز میں داخلہ لیا۔ کیوں کہ ان لوگوں کو وہ تعلیم جو شروع سے چرچ کے ذریعے مل رہی تھی، یہ اُس سے تنگ آ گئے تھے۔ تو یاد رکھیئے جب دین پر کسی ایک انسان کا اختیار آ جاتا ہے تو دین بدل جاتا ہے۔ قرآن اس چیز کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾

اِس بات کا نہ اُنہیں کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ محض جھوٹ بکتے ہیں ۔

سُنی سُنائی باتیں کرتے ہیں۔ انکے عقیدے تقلید کی بنیاد پہ ہیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِم ، یہ بہت بڑی باتیں اپنے منہ سے نکال رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ ایک ہے، اُسکی کوئی اولاد نہیں۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ۔ اتنی بات سے یہ پتا چلا کہ قرآن کا پیغام سیدھا سادھا ہے۔ اس کے برعکس لوگ جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہاں لفظ كَذِبًا آیا ہے۔ یہ صِدق کا اُلٹ ہے۔ صِدق کے معنی ہیں، حقیقت بات کرنا۔ اور کِذب اسکا اُلٹ ہے، جھوٹی بات کرنا۔

یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ جھوٹا علم نقصان دیتا ہے۔ اسکے برعکس سچی اور حقیقت پر مبنی بات زیادہ اثر رکھتی ہے۔ لاعلمی سے کی ہوئی بات بھی جھوٹ ہوتی ہے۔ زبان کو بالکل سی لیں / خاموش رہیں۔ لوگوں کو بلاوجہ کے فتوے نہ دیں۔ کچھ لوگوں کو فتویٰ فروشی کی عادت ہوتی ہے۔ جہالت پھیلانا بھی بہت بڑا جُرم ہے۔ آج یہ مسئلہ نہیں کہ لوگ دین نہیں پھیلا رہے، آج کا مسئلہ یہ ہے کہ دین جہالت کی بنیاد پہ پھیل رہا ہے۔ ہم سب کو تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ پوری طرح چھان بین کر کے بات آگے کریں، پھر انشاءاللہ فائدہ ہو گا۔ اَفْوَاهِهِم کا 'م' کاٹ دیں تو پیچھے اَفْوَاهِهِ رہ جاتا ہے۔ جس کے معنی جھوٹی افواہیں ہیں۔ تو ان کے منہ سے جھوٹی افواہیں نکل رہی تھیں۔ آج کا میڈیا، ایک جھوٹی بات ایک 'کلک' پہ پھیلتی ہے۔ اب اگلی آیت میں وہ سپرٹ جو لوگوں کو دین کے کام کرنے پہ مائل کرتی ہے، اُسکا ذکر ہے۔ جو دین کے لیے قربانیاں لینے اور دینے پہ تیار کرتی ہے، پتھر کھا کے بھی مسکرانا سکھاتی ہے، اُسکا ذکر ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿٦﴾ اچھا، تو اے محمدؐ، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اِس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

بہت خوبصورت بات ہے۔ پیچھے تثلیث کی بات ہوئی۔ جس میں نصاریٰ کے مذہبی رہنماوں کی کمی بیشیوں کا ذکر تھا۔ اور ان غلط فیصلوں کے جو بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں اُن کے لیے ایک صاحبِ درد شخص اپنے دل میں درد محسوس کرتا ہے۔ جسکو بَخَع کہتے ہیں۔ لوگوں کئ ساتھ کل کیا ہو گا، ان کا مستقبل کیا ہو گا۔ ان باتوں پہ ایک سچے مومن کی جو دل کی حالت ہوتی ہے اُسکو "بخعَ" کہا گیا ہے۔ ب، غ، ع، اسکا معنی ذبح ہوتا ہے۔ اٰثَارِهِمْ ، اثار کی جمع۔ اَسَفًا تکلیف کی شدت۔ جب کسی کا دوست اُسے تنہا چھوڑ جائے، اور اُسکا غم جائے ہی نہ، اس کیفیت کو کہتے ہیں۔ جیسے حضرت یعقوبؑ کو اتنے سال گزرنے کے بعد بھی حضرت یوسفؑ کی یاد آگئی۔

تو یہ حقیقت ہے کہ جب ایک بندہ اللہ کے دین کے ساتھ جُڑ جاتا ہے تو اُس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اُسے دوسرے لوگوں کی تڑپ لگ جاتی ہے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ لوگ جتنا خود دین پہ آتے ہیں، اُنہیں اُتنا دوسروں کی فکر زیادہ لگ جاتی ہے۔ آپ کو پیچھے بتایا گیا کہ دوسروں کی ہدایت کی فکر نہ لگنا، اس بات کی نشانی ہے کہ ابھی آپ کی اپنی ہدایت بھی پوری نہیں ہے۔ جس دن آپ کے اپنے اندر دین کی اصل روح پہنچ جاتی ہے پھر اُس دن آپ دوسروں کے غم میں گھلتے ہیں۔ گھر والے، بچے، شوہر، خاندان، وطن والے، پھر پوری دنیا اُسکا کنبہ بن جاتا ہے۔ کسی نے بڑی خوبصورت بات شئیر کی کہ حق کے راستے کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ انسان اس راستے میں تنہا رہ جاتا ہے۔ انسان جتنا حق کے راستے میں دوسروں کے ساتھ رہتا ہے وہ اتنا انجوائے کرتا ہے، پھر اللہ بھی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس نے لا الہ الا اللہ دل سے کہا ہے یا صرف زبان سے۔ لیکن دین کے راستے میں ایک ایک کر کے سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جب بھی اس بات کو مانیں گے آپ تنہا رہ جائیں گے۔

اس تنہائی کے موقع پر انسان کے اندر سے جو جذبے پھوٹتے ہیں آپ ان کو سامنے رکھیں۔ یہ وہ جذبے ہوتے ہیں جو انسان کو اس چیز پر مائل کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کے لیے تڑپے۔ لوگوں کو بتائیں کہ دیکھو یہ دنیا جس کے دجل میں اور جس کے دھوکے میں تم آج جی رہے ہو، یہ بہت جلد تمہیں چھوڑ کے جانے والی ہے۔

کبھی خود پہ بھی بہت افسوس ہوتا ہے کہ ہم اتنی سی بات لوگوں کو نہیں سمجھا پاتے کہ لوگوں دنیا بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ اس بات پر غور کرو، جس دن ہم اس دنیا سے جائیں گے تو کیا ساتھ لے کے جائیں گے۔ کون میرے ساتھ ہو گا۔ کوئی ہے جو میرے ساتھ قبر میں جانا چاہے گا، کہ اس وقت میری مدد کرے گا۔ کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا۔ انسان کو اس کی فکر ہونی چاہیے۔ تو ضرورت اس بات کی ہے کہ حق کے راستے میں سب سے بڑی قربانی دی جائے اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو فکر لگا دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ جنت۔ مقامِ محمود، وسیلہ، کہیں آپکو صادق اور امین کہا جا رہا ہے۔ آپکی زندگی میں دین کے ناطے سے کتنی خوشیاں تھیں، کتنا سکون تھا کہ جتنے لوگ میری سنت پر عمل کریں گے اُنکا سب کا ثواب مجھے ملے گا۔ پھر بھی آپ کی یہ کیفیت تھی کی رات کو اللہ کے آگے روتے اور دن کو رب کو پکارتے۔

ہمیں اپنے اندر یہ کیفیت لانی ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ کیا ہم اپنے اندر یہ درد محسوس کرتے ہیں۔ کیا میرے اندر یہ درد ہے کہ لوگوں کو دین کی دعوت دینی ہے۔ سورۃ فاطر آیت آٹھ میں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ پس (اے نبیؐ) خواہ مخواہ تمہاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔

سورۃ حجر آیت 88 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں فکر نہ کریں۔ سورۃ مائدہ میں آتا ہے کہ آپ غم نہ کھائیں کافر قوم کا۔

نبیؐ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ آپؐ کو غصہ سے زیادہ رحم آتا تھا، تکلیف ہوتی تھی۔ اپنے آپ کو اس جگہ رکھ کے سوچیئے کہ مجھے لوگوں کی بُرائیوں پہ غصہ آتا ہے یا رحم آتا ہے۔ یہ آپکے لیے ایک نمونہ ہے کہ کیا میری زندگی "بخعَ" والی ہے یا نہیں۔ اسکا پتہ اس سے چلے گا کہ لوگوں کو غلط کام کرتے دیکھ کر آپکے تڑپنے سے۔ جسطرح مائیں بچے کو بُرائی کی طرف جاتا دیکھ کر تڑپ لگتی ہے وہی آپ کی کیفیت ہونی چاہیئے۔ اللہ نے نبیؐ کے اقوال ملتے ہیں کہ "لوگو! جو باتیں مجھے پتا ہیں اگر تمہیں پتا لگ جائیں، یعنی آخرت میں کیا ہو گا، مرنے کے بعد کیا ہو گا، اگر تمہیں یہ پتہ چل جائے کہ کیا ہونے والا ہے تو تم اپنے مردوں کو دفنانا چھوڑ دو، سب کچھ چھوڑ کے جنگلوں میں بھاگ جاؤ، اپنی بیویوں سے لذتیں لینا چھوڑ دو، اتنا تمہیں غم لگ جائے گا۔ تو یہ دجالیت ہے جس کی آج دنیا ہزار گنا زیادہ شکار ہے۔

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے اقوال پڑھیں تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ ایک صحابی بازار میں گئے۔ لوگوں کو دنیاداری میں بھاؤ تاؤ کرتے دیکھا تو کہا، اے لوگو تمہارا یہ حال ہو گیا ہے، یہ وقت آ گیا ہے، ابھی تو اللہ کے نبی کو گئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔ کچھ مہینے گزرے ہیں۔ اگر وہ صحابہ آج کے دور میں آتے تو کیا کہتے۔ رحمان بن عوف اور بہت ساروں کو جب آخری وقت میں دولت ملی تو بہت رویا کرتے تھے۔ کہتے تھے ایک وقت تھا کہ ہم اسلام پہ آئے اور ہمارا سب کچھ چلا گیا۔ اب سارا واپس مل گیا۔ ہمیں تو قرآن پڑھتے ہوئے رونا بھی نہیں آتا۔ صحابہ آج ہماری جائیدادیں اور دوسرے معاملات دیکھتے تو کیا کہتے۔

سوچنے کی بات ہے، دل کی سختی دوسروں سے بے نیاز کر کے اپنا نیاز مند بنا دیتی ہے۔ یہ تَذْهَبُ کی کیفیت کہ غم کھانا، اس کے دو درجے ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ کوئی آپ کی بات نہ مانے تو ہم غم کھاتے ہیں اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ کو تو مانیں مگر حق کا پیغام نہ مانیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ہی چڑ ہے اور دوسری بات ہے کہ آپ کی تعریفیں کرتے ہیں آپ کے گُن گاتے ہیں لیکن عمل کے وقت پھر کورے کے کورے۔ کفارِ مکہ کا مقام نمبر 2 تھا۔ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے لیکن مکہ کے لوگ آپؐ کی بات کو نہیں پسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ کے لوگ ان کا معاملہ پہلے والا تھا۔ وہ نبیؐ سے حسد کی وجہ سے بات نہیں مانتے تھے۔ کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ ان کی بات ماننا ہماری چودھراہٹ کو ختم کر دے گا۔ عموماً ہمیں کس بات کا غم ہوتا ہے۔ اپنے اوپر لیں، کیا مجھے پہلے درجے کا غم ہے یا دوسرے درجے کا۔ اگر کھلے دل سے بات کریں تو اکثر لوگوں کو پہلے درجے کا غم ہوتا ہے۔ میری بات نہیں مان رہی، مجھے اہمیت نہیں دے رہے۔ میں کہتی ہوں بے شک مجھے نہ مانیں، اللہ کی کتاب کو اور اللہ کو مانیں۔

جو اپنے مشن میں سچا ہوتا ہے وہ لوگوں کو اللہ سے جوڑتا ہے۔ جو اللہ سے جوڑتا ہے اسے اپنی تعریف پر بیزاری محسوس ہوتی ہے۔ اسے فکر لگ جاتی ہے کہ میرا پڑھانا، بتانا کہیں اس لئے تو نہیں کہ تم میرے ہی گُن گاتے رہو۔ آج ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کی محبت کی بات کرتے ہیں لیکن ہمارا کیا غم ہے، ہم ان کے وارث بننے کے دعوے دار تو ہیں لیکن اپنے خول سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ جب محبتوں کے رخ بدل جاتے ہیں تو غم بھی بدل جاتے ہیں۔ ابھی تک ہماری محبت دجالیت کے ساتھ تھی۔ دنیا سے محبت ہو تو ہمارے غم بھی دنیا کے ہوتے ہیں۔ میرے گھر میں یہ نہیں وہ نہیں۔ یہ سب کر کے

بھی آخر میں کچھ نہ ملے۔ لیکن جب یہ غم لگ جاتا ہے کہ اللہ کے بندوں کا کیا ہو گا تو پھر دل گھلتا ہے۔ ایک یہ غم ہوتا ہے کہ میرے بچے کیا کھائیں گے اور ایک یہ غم ہوتا ہے کہ اُمت کے بچے کیا کھائیں گے۔ آپ اپنے لیے ایک دائرہ سیٹ کریں کہ کیا مجھے اس کتاب سے سچی محبت ہے، کیا میں سچے دل سے اس کتاب کو پڑھنا اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیم کو پھیلانا چاہتی ہوں۔ اس کا ایک اظہار ضرور ہو گا کہ آپ کو لوگوں سے نفرت نہیں رہے گی بلکہ لوگوں کے لئے تڑپ پیدا ہو گی۔ لوگوں سے نفرت کو تڑپ میں بدلیں۔ بدخویاں کرنے کی بجائے دعائیں کریں۔

بڑی تکلیف ہوتی ہے جب قرآن پڑھے ہوئے لوگ اپنوں کے بارے میں منفی جملے بولتے ہیں۔ ایک دوست نے اپنی کسی نان مسلم دوست کا ایک میسج فارورڈ کیا۔ اتنی کڑوی باتیں تھیں۔ میں آپکو پڑھ کر سنائی دیتی ہوں کہ قرآن سے اور دین اسلام سے دوری بندے کو کہاں لے جاتی ہے۔ "میرا تو کوئی بھی کام ٹھیک نہیں ہوتا، اور کچھ نہیں ہوتا، کیسے جیوں، کیا کروں، کوئی نہیں سمجھتا، کہ کچھ کر سکوں۔ ٹوٹ گئی ہوں، بار بار ہمت کر کے اٹھتی ہوں اور گر جاتی ہوں۔ کوئی جینے کا مطلب نہیں"۔ آپ کو ان جُملوں کی کڑواہٹ محسوس ہوئی۔ میری دوست نے پوچھا کہ کیا کروں۔ میں نے کہا کہ آپ چلی جائیں۔ پیار سے بات کریں۔ اُسے کہیں آپ میری بہن ہو، بیٹھو میں آپ کو کھانا کھلاتی ہوں۔ میں نے کہا کوئی بات نہ کرنا۔ اسکو ماں باپ سے شکوہ ہے اس کو اپنے شوہر سے شکوہ ہے، اس کو دنیا کے ہر انسان سے شکوہ ہے۔ تم اس کے لیے سب کچھ بن جاؤ۔ ہمارے نبیؐ بھی یہی کرتے تھے۔ آپ اُس کے پاس جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ خودکُشی کر لے۔ لوگوں ایسے ہی خودکشی کرتے ہیں۔ جن کی زندگی میں کوئی خوشی نام کی چیز نہیں ہوتی۔ دل بڑا کر کے جائیں۔ آخر وہ انسان ہے، پتھر تو نہیں ہے۔ اور یہ وہ عورت ہے جو

چند دن پہلے ہماری کلاس میں تھوڑی دیر کے لئے آئی تھیں۔ اُس وقت بھی وہ ڈپریشن میں تھی، لیکن جو بھی سنا تو ختم ہونے کے بعد اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا "سکون" اس نے کہا مجھے سکون ملا ہے۔ بُرے لوگوں سے نفرت نہیں ہو سکتی۔ لوگوں کے لیے تڑپیں، لوگوں کی دعائیں کریں۔ کیا ہم نے اس بہن کے لیے دو نفل پڑھ کر دعا مانگی۔

یقین کریں کہ بندے کو اس طرح دوسروں کا غم لگ جاتا ہے، جیسے اپنے بچوں کا لگتا ہے۔ تو دعائیں کریں کہ اللہ اس کو بچالے، یہ جہنم میں نہ جائے۔ جس سے پیار ہوتا ہے، اس کی چیزوں سے بھی پیار ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے بھائی بہنوں کے بچے اچھے لگتے ہیں جیسے بھی ہوں۔ اگر اللہ سے پیار ہے تو اُسکے بندے بھی پیارے لگیں گے۔ پھر جب کوئی انسان برا نہیں لگے گا تو آپ کبھی بھی اس کی غیبت نہیں کریں گے۔ کبھی بھی بدگمان نہیں ہوں گے۔ اسلام اس طرح آپ کا تزکیہ کرتا ہے کہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلتا اور آپ کے اندر سے سب بری باتیں نکل جاتی ہیں۔ لوگوں کی برائی کرنے کی بجائے ان پر رحم کھائیں، ترس کھائیں۔ اگر کسی انسان کی ظاہری زندگی آپ کو کوڑے کے ڈھیر لگے، اس میں کوئی کشش نہ لگے اور اگر یہ ساری باتیں آپ اپنے اندر پیدا کر لیں تو وہ آپ کو بہت حسین لگے گا۔ اگر اسلام پر فتنہ اٹھے تو چند دن کس چیز کا بائیکاٹ کریں اور پھر سب ویسا ہی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ضرورت اپنے اندر درد پیدا کرنے کی ہے۔ آپ لوگوں کی باتیں سن لیں ان کی بری، کڑوی کسیلی باتیں سن لیں۔

اللہ کے نبی لوگوں کے گھر گھر جا کے اللہ کا پیغام دیتے تھے۔ قبیلوں میں جا کے کہتے تھے کہ اللہ کے بندو میری بات سنو۔ کبھی آپ بازاروں میں، کبھی صفا پر اور کبھی مروہ پر اور کبھی کعبہ میں کھڑے ہو کر

لوگوں کو بلاتے تھے۔ آئے گا تو وہی جس کے نصیب ہو گا، لیکن آپ کو اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ آپ اللہ سے جُڑ جاتے ہیں۔ پھر ہمیں جھکنا آجاتا ہے اور اللہ کی خاطر ہر بات سننا آجاتی ہے۔ آپ جتنا تڑپیں گے، دوسروں کو اس کا فائدہ ہو نہ ہو آپ کو ضرور ہو گا۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے نبیؐ کی تڑپ میں کوئی کمی تھی جو لوگ نہیں آتے تھے تو اس کا جواب آیت سات میں "دجالیت"

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾

واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ اِن لوگوں کو آزمائیں اِن میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے ۔

اس دنیا کو ان کے لئے اتنا خوبصورت بنا دیا ہے لیکن ان کو یہ نہیں پتا، نَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے کہ لوگوں کے جلنے کڑھنے اور تڑپنے کے باوجود دین کی طرف کیوں نہیں آتے، کیونکہ راستے میں دنیا کی خوبصورت تختی لگی ہوئی ہے۔ آپ ان لفظوں کی اداسی کو محسوس کریں۔ اِنَّا ، جَعَلْنَا ، مَا عَلَى الْاَرْضِ، ہم نے بنا دیا جو کچھ اوپر ہے زمین کی زینت۔ ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ زینت کا مطلب ہے 'کشش'۔ پوری سورت کا مین تھیم بھی زینت ہی ہے۔ دنیاوی زیبائش و آرائش۔ آپ کہہ سکتے ہیں سورہ کہف کا مین تھیم "دنیا کی زینت زیب و آرائش" ہے۔ انسان اتنا اس دنیا میں کھو جاتا ہے کہ اسے آخرت کا خیال ہی نہیں آتا۔ اور آپ جتنا مغربی ممالک میں آگے بڑھتے جائیں گے اس کی چمک اور بڑھتی جائے گی۔ اتنے اسباب اور چیزیں ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس پر جو میڈیا نے اپنا کردار ادا کیا، وہ اللہ کی پناہ۔ جن کے پاس چیزیں نہیں ہوتی ان کی رال ٹپکتی ہے اور جن کے پاس ہوتی ہیں ان کے سر فخر سے بلند ہوتے ہیں۔ ہمارے ملکوں والے فون کر کے آپ

کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فلاں چیز لے آئیں، کیونکہ وہ وہاں بیٹھ کے تصویروں میں دیکھتے ہیں۔ تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں اس لئے ملیں کہ لِنَبْلُوَهُمْ ہوتا، کہ ہم ان کو آزمائیں ان میں سے کون ہے بہتر عمل میں۔ ہمیں اس آزمائش کا نہیں پتہ۔ لفظ لِنَبْلُوَهُمْ کو بڑا کر کے لوگوں کو دکھا دیں، خود بخود دنیا کی زیب وزینت کم ہو جائے گی۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ اگر کوئی آپ کو تحفے میں کوئی مہنگی چیز دے تو آپ بہت خوش ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی مہنگی چیز آپ کے پاس اس لیے رکھوائے کہ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کتنے ذمہ دار ہیں تو پھر آپ کی کیا حالت ہو گی۔ جتنی مہنگی چیز ہو گی ذمہ داری اتنی زیادہ بڑی ہو گی۔ یہ ہے لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ کچھ کو اللہ نے تھوڑا دے کر آزمایا ہوا ہے وہ پر سکون ہیں، خالی ہاتھ ہیں، جتنی دنیا زیادہ ملتی ہے، انسان اتنا ہی زیر بار ہے۔ یہ دنیا کے ٹھاٹھ باٹھ، رونقیں سب آزمائش ہیں۔ اس جملے کو لکھ لیں کہ ہر نعمت امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ میرے بچے امتحان کے پرچے، میرا زیور، میرا گھر، میرا شوہر سب امتحان کا ایک پرچہ ہیں۔ اور یہ سب جائز نعمتیں ہیں۔ حرام تو ہے ہی امتحان کا بہت بڑا پرچہ۔ ہمارے لئے جائز نعمتیں بھی امتحان کا پرچہ ہیں۔

سورہ آل عمران میں پڑھ چکے ہیں آیت 14 میں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی

خوش آئند بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔ اسی میں کھو کے نہ رہ جاؤ۔ جب موم بتی جلائیں تو اس پاس سے پرندے روشنی سمجھ کر آتے ہیں لیکن ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے ہیں۔ وہ روشنی سمجھتے ہیں کہ ادھر گرمی ملے گی لیکن وہ ان کی موت تھی۔ آپ اس دنیا کو شمع تصور کریں اور ہم پروانے ہیں۔ جو انسان اس دنیا کی ظاہری چمک اور روشنی کی طرف کھنچ گیا۔

سورہ نساء آیت 119 آتا ہے فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ وہ تو ایسا تباہ ہوا کہ بہت ہی کھلا کھلا تباہ ہونا کہ۔ ایسا انسان حقیقت میں اللہ سے ہٹ کر دنیا میں کھو جاتا ہے۔ ایک اللہ کی چمک ہے، ایک آخرت کی چمک ہے۔ کسی کو یہ پتا چل جائے کہ تمہیں رب مل جائے تو اسے وہ اچھا لگے گا یا تمہیں یہ دنیا مل جائے یہ اچھا لگے گا۔ پیچھے سے ربط دیکھیں کہ آپ تڑپے، لوگ نہیں آئے۔ کیوں کہ دنیا بڑی سجی سنوری ہے۔ اس کیلئے اب کرنا یہ ہے کہ اس کی زینت کو کم کر دیں۔ اس کا طریقہ آیت 8 میں بتایا گیا۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ؕ ﴿۸﴾ آخر کار اِس سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔

قیامت کا بلڈوزر چلے گا تو دنیا کی بڑی بڑی عمارتیں زمین بوس ہو جائیں گی۔ سب چمک دمک ختم ہو جائے گی۔ نہ پہاڑ نہ سمندر نا یہ خوبصورت عمارتیں بچیں گی۔ قیامت کے دن زمین ایک ایسے کھیت کا منظر پیش کر رہی ہو گی جس کی فصل کٹ چکی ہو گی۔ صرف بچا کچا سوکھا چورا ہو گا جو ادھر اُدھر بکھرا

ہو گا۔ یہ آیت پڑھتے ہوئے سڑک بننے کا منظر یاد آجاتا ہے۔ جب سڑک بننا شروع ہوتی ہے تو پہلے سامان اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر اس سامان کو زمین پر بچھا کر اوپر بلڈوزر چلایا جاتا ہے، تو سب سیدھا ہو جاتا ہے۔ آج کوئی اونچا، کوئی نیچا، کسی کا گھر بڑا، کسی کا چھوٹا، کسی کی دولت زیادہ، کسی کی کم، قیامت کا بلڈوزر چلے گا تو سب برابر ہو جائے گا۔

سورۃ واقعہ میں ہم پڑھیں گے خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ وہ تہ و بالا کر دینے والی آفت ہو گی۔ امریکہ میں ایک بہت بڑا کنونشن ہوتا ہے ساری دنیا سے لوگ آتے ہیں چالیس پچاس ہزار مسلمان ہوتے ہیں۔ وہاں جگہ لے کر اسٹالز لگائے جاتے ہیں۔ ایک ایک سٹال پانچ پانچ ہزار ڈالر کا بھی ہوتا ہے۔ پہلے ایک سٹال لگانے کی جگہ کی قیمت دیتے ہیں، پھر اس کو سجاتے ہیں تاکہ لوگ آئیں اور دیکھیں۔ وہاں جگہ لینے پر بہت جھگڑے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم نے بھی وہاں پیچھے کر کے ایک چھوٹا سا سٹال لگایا کہ کوئی دین کا کام ہو جائے۔ مجھے اس کا آخری دن جب وہ ختم ہوا، وہ منظر نہیں بھولتا۔ کہاں اتنے بڑے بڑے خوبصورت، اتنا پیسہ لگا کر لگائے گئے سٹالز اور جب ختم ہوا تو لوگ صرف اپنا سامان اٹھا کے چلے گئے۔ اس جگہ کے ملازموں نے ہر چیز کو زمین بوس کر دیا۔ سب چیزیں پھینکی جا رہی تھیں، تو مجھے یہ آیت یاد آگئی۔ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ؕ میرے ساتھ کچھ نہیں جانا۔

یہی سوچ قرآن دیتا ہے۔ کوئی چیز خریدتے ہوئے بھی یہ ذہن میں آتا ہے کہ جانی یہ میرے پلڑے میں ہے لیکن حساب وہاں جا کے ہونا ہے۔ اس دنیا نے ہمیں اتنا دُکھی کیا ہوا ہے، کھپایا ہوا ہے، لیکن پھر بھی ہم انجوائے نہیں کر پاتے۔ اس سے جتنا بچ سکتے اپنے آپ کو بچائیں۔ یہی سورۃ کا مین تھیم ہے۔ جتنا

خود کو اس سے بچا سکتے ہیں بچالیں۔ سچی خوشیاں صرف اس کو ملیں گی جس نے سچی ذات سے تعلق جوڑا۔ وہ دنیا کی چیزیں، گھر، بار جن پر کل بلڈوزر پھرنے والا ہے، ان کو صرف ضرورت کی رکھیں۔ ایسا نہیں ہے کہ کہیں خیمہ لگا کے بیٹھ جائیں لیکن جو بھی لیں ضرورت کا لیں۔ اسے استعمال کریں۔ کہاں ہمارے وہ سجے ہوئے ڈرائنگ روم کہ جہاں کبھی کوئی بیٹھتا ہی نہیں اور اگر بیٹھ جائے تو غم لگ جاتا ہے کہ ان کو صاف کون کرے گا۔ نعمتوں کا حساب رکھیں۔

اگلی آیتوں میں ہم دیکھیں گے کہ کن لوگوں کا اللہ کے لیے حق کے راستے میں نکلنا آسان ہو جاتا ہے، وہ لوگ جن کی دنیا مختصر ہوتی ہے اور جو دنیا بڑھاتے رہتے ہیں پھر وہ اللہ کے کام کے نہیں رہتے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالی ہمارے دل بدل دے آمین۔ لفظ صَعِيْد، ص، د، ع سے ہے۔ صعود کہتے ہیں، زمین کا بُلند حصہ۔ جُرُز کہتے ہیں درخت کاٹ کر صاف کر دینا۔ ان آیتوں کو پڑھتے ہوئے اپنے ذہنوں میں خزاں کا موسم لے آئیں۔ اس سبق کو پڑھنے کے بعد خود کو دجالیت سے نکالنے کی کوشش کرنی ہے اور اپنی سوچوں کو "قَيِّم" کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین